سابقہ شرائع کی حیثیت

جناب محمد اسلم اسسٹنٹ پروفیسر۔ ساہیوال

شرائع شریعت کی جمع ہے۔ عربی زبان میں "الشریعتہ المشراع اور المشرعہ" کا اطلاق پانی کی جگہوں پر ہوتا ہے۔ بالخصوص لفظ الشریعہ اس تالاب کیلئے بولتے ہیں جس کا پانی ختم نہ ہو۔(۱)

"شرعی احکام کو شریعت اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے عاملین کو جنت کی دائمی زندگی سے نوازتی ہے"۔ (۲) لیث کا قول ہے کہ نماز' روزہ' حج' زکوۃ' نکاح وغیرہ کے احکام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے بطور شریعت مقرر کئے وہ اسی لفظ سے مشتق ہیں۔ نیز ابن الاعرابی کا قول ہے کہ شرع بمعنی اظہر ہے۔ (۳)

اسی مفہوم کا دوسرا لفظ دین ہے۔ جس کے لغوی معنی اطاعت' بدلہ' اور طریق کے ہیں۔ (۴) قرآن مجید نے اس لفظ کا اطلاق قانون پر بھی کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ماکان لیأخذ اخاہ فی دین الملک (۵)

وہ اسے بادشاہ کے قانون کے مطابق نہیں پکڑ سکتے تھے۔

اصطلاحی مفہوم میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ مخصوص اور پسندیدہ نظام زندگی یا اسلوب فرمانبرداری یا طرز جزا و سزا ہے۔ جو اس نے اپنے بندوں کیلئے کیا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو اس نے روز ازل سے انسانوں کیلئے مقرر کیا ہے اور اس کی تعلیم حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اپنے تمام پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں کو دی۔ (۶) جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین (۷)

اور انہیں یہی حکم تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔ خالص اس کی عبادت۔

اس اعتبار سے لفظ دین عام اور شریعت خاص ہے۔ یعنی دونوں میں عام خاص کی نسبت ہے۔ اسی سلسلے کا تیسرا لفظ ملت ہے۔ جس کے معنی مذہب اور شریعت کے ہیں۔ شریعت کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ وہ تعلیمات جو انسانوں کے ظاہری خارجی اور جسمانی اعمال کی اصلاح کرتی ہیں۔ اسے فقہ بھی کہتے ہیں۔ (۸)

سابقہ شرائع سے مراد گزشتہ انبیاء کی وہ شریعتیں ہیں جو مختلف صحیفوں' تورات' زبور اور انجیل کی شکل میں نازل ہوئیں۔

موضوع کی حیثیت پر باقاعدہ بحث کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مختلف اقوال اور مخصوص الفاظ اور اصطلاحات کی تشریح کر دی جائے۔ مجموعی طور پر اس سلسلے میں پانچ قسم کے اقوال ملتے ہیں۔ (۹) ان میں سے تین اقوال کو بزدوی نے اس طرح پیش کیا ہے۔

۱۔ بعض علماء نے کہا سابقہ شریعتیں ہماری شریعت کی طرح ہیں۔ یہاں تک کہ نسخ پر دلیل قائم ہو۔

۲۔ بعضوں نے کہا سابقہ شریعتیں ہم پر لازم نہیں۔ ہاں اگر دلیل قائم ہو جائے۔

۳۔ بعضوں نے کہا سابقہ شریعتیں ہماری شریعت ہی ہیں۔ (۱۰)

پہلے اور تیسرے قول کا تعلق قائلین حجیت سے ہے۔ مگر ان دونوں میں فرق ہے کہ پہلا گروہ سابقہ شریعت کو محمدی شریعت کی مثل قرار دیتا ہے۔ جبکہ تیسرا گروہ سابقہ شریعت کو بعینہ محمد شریعت قرار دیتا ہے۔ دوسرے قول کا تعلق منکرین حجیت سے ہے۔ اس کے پھر دو گروہ ہیں ۱۔ سابقہ شریعت اس لئے حجت نہیں کیونکہ ہر نبی اور ہر امت کی شریعت الگ الگ ہوتی ہے۔ ۲۔ سابقہ شریعت اس لئے حجت نہیں کہ وہ منسوخ ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں پانچواں قول یہ ہے کہ سابقہ شرائع کا صرف وہ حصہ معتبر ہے جو حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے بیان ہوا ہے۔

حجیت کے قائلین اپنے مفہوم کو ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ شرع من قبلنا شرع

لہذا اتحاد شرائع۔ اتفاق شرائع۔ وحدت ادیان' توافق۔ تداخل جبکہ منکرین حجیت یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اختلاف شرائع۔ تباین شرائع۔

توافق اور تداخل میں فرق ہے۔ تداخل کا مطلب ہے کہ پہلی شریعت مکمل طور پر دوسری شریعت میں داخل ہو گئی۔ یہ اصطلاح ابراہیمی شریعت کے متعلق استعمال ہوتی ہے کہ وہ شریعت محمدی میں سمو دی گئی۔ توافق کا مطلب ہم آہنگی ہے۔ اس کا استعمال موسوی شریعت کے لئے ہے کہ دونوں شریعتوں میں موافقت و مشارکت ہے۔ لیکن اس سے مراد سو فیصد ہم آہنگی نہیں۔

اختلاف شرائع کا لفظ عام طور پر عدم حجیت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات قائلین حجیت بھی اس کا استعمال کر لیتے ہیں۔ جس کا مطلب حجیت سے انکار نہیں۔ بلکہ اس جزوی اور فروعی اختلافات کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ جو کہ بہرحال موجود ہے۔

سابقہ شائع کی حیثیت سے متعلق بنیادی پر دو گروہ ہی ہیں۔ ا۔ قائلین حجیت اس میں مندرجہ ذیل علماء و فقہاء شامل ہیں۔

حنفی مسلک کے اکابرین' عام متاخرین' امام مالک' ابن العربی' امام احمد ایک قول کے مطابق بعض شافعی اصحاب۔

منکرین حجیت: امام شافعی کے اکثر اصحاب' امام غزالی' امام احمد ایک قول کے مطابق' معتزلہ وغیرہ۔ (تفصیل آگے)

جو لوگ حجیت کے قائلین ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ سابقہ شرائع کے عقائد' اصول عبادات و معاملات' احکام شخصیہ وغیرہ متفقہ ہیں۔ گو بعض جزوی مسائل یا ان کی ادائیگی کی کیفیتوں میں اختلاف موجود ہے۔

جبکہ منکرین حجیت' سابقہ شائع کے ساتھ عقائد اور اخلاق کی حد تک اشتراک و اتفاق تسلیم کرتے ہیں۔ دیگر احکام مسائل میں اختلاف کے قائل ہیں۔ اس طرح اختلافی بحث کا تعلق عبادات' معاملات' احکام شخصیہ' عدلیہ اور سلطانیہ سے ہے۔

قائلین حجیت

سابقہ شرائع کی حجیت کے قائلین سے مراد اصحاب ابوحنیفہ اور امام متاخرین ہیں جو اپنے مسلک کی تائید میں مختلف قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً"

اولئک الذین ھدی اللہ فبھدا ھم اقتدہ (۱)

یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ سو آپ ان کے طریقہ کی اقتداء کریں

اس آیت میں سترہ پیغمبوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا۔ محمود آلوسی حنفی نے اس آیت سے توحید' اصول دین اور شرائع کے منسوخ حصہ کے سوا بقیہ امور کی اقتداء پر استدلال کیا ہے اور اسے ایک جماعت کا مسلک قرار دیا ہے۔ منسوخ حصہ چونکہ ہدایت نہیں رہتا۔ اس لئے وہ شریعت سے خارج ہے۔(۱۲)

نیز انہوں نے اس مقام پر مخالفین کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اعتراض نمبر۱۔ حضور علیہ السلام چونکہ سید المرسلین ہیں۔ اس لئے گزشتہ انبیاء علیھم السلام کی اقتداء آپ کے شایان شان نہیں۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ آپ ہدایت پر قائم رہیں۔

جواب۔ آیت کا یہ مطلب بنانا ایک تو تکلف سے خالی نہیں۔ کیونکہ **"فبھدا ھم اقتدہ"** کے الفاظ اس تاویل کو قبول نہیں کرتے۔ دوسرے اس اشکال کا جواب خود آیت کے اندر موجود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان انبیاء کی اقتداء کرو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ انکی ہدایت کی اقتداء کرو اور ہدایت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ لہذا تنقیص شان کا احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اعتراض II یہ ہے کہ اس اقتداء کا تعلق صرف اعتقادات و اخلاقیات سے ہے نہ کہ شریعت سے۔ یعنی جس طرح ان انبیاء نے توحید کو اپنایا' شرک کی تردید کی اور قوم کو تبلیغ کی پھر قوم کی دشمنی اور ان کی طرف سے آنے والی تکالیف پر صبر کیا۔ آپ بھی اسی طرح صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں۔

جواب۔ لفظ ہدایت عام ہے جو اعتقادات اور شریعت وغیرہ تمام امور کو شامل ہے۔ اس

سے صرف عقائد و تبلیغ مراد لینا درحقیقت عام کو خاص کرنا ہے۔ جس کیلئے بہرحال دلیل کی ضرورت ہے۔

بلاوجہ تخصیص کا کوئی جواز نہیں۔ نیز تبلیغ کا مفہوم لینا اس لئے بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اسی آیت میں حضرت یوسف، داؤد اور سلیمان علیہم السلام کا بھی ذکر ہے۔ جنکی تبلیغی کوشش میں کوئی ایسا پہلو نہیں جو حضور علیہ السلام کیلئے دلیدل و تسکین بنے۔

دلیل ۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لقد کانت لکم اسوۃ حسنتہ فی ابراہیم والذین معہ (۱۳)
تمہارے لئے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔

اسوہ حسنتہ کا لفظ جس طرح حضور علیہ السلام کیلئے بولا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کیلئے اختیار کیا۔ علامہ شاطبی لکھتے ہیں لفظ اسوہ تاسی سے بنا ہے۔ جس کا مطلب ہے کام اس طریقہ سے کرنا جس طرح (اس) پہلے نے کیا۔ اور سابقہ شریعت ہماری شریعت ہے۔ (۱۴) یعنی نمونہ کا تعلق عقائد سے نہیں بلکہ اعمال سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے۔

دلیل ۳۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور (۱۵)
ہم نے توراۃ نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

جس طرح قرآن کو مختلف مقامات پر ہدایت اور نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح توراۃ کو بھی انہی اوصاف سے متصف کیا گیا۔ جس کا مطلب یہی بنتا ہے کہ توراۃ بھی قابل عمل ہے۔ تاہم یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ توراۃ کا یہ مقام اور وصف نزول قرآن سے قبل تھا۔ نزول قرآن کے بعد اسکی حیثیت ختم ہو گئی۔ کیونکہ وہ منسوخ ہو گئی۔ جواب یہ ہے کہ بہت سے علماء نسخ کے قائل نہیں۔ تفصیلی بحث آگے ہے۔ نیز موجودہ دور کے عام اردو مترجمین نے اس جملے کا ترجمہ فعل حال سے کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر درج ہے اگر وہ نسخ کے قائل ہوتے تو آیت کا ترجمہ زمانہ ماضی (اس میں ہدایت اور نور تھا) سے کرتے۔

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ توراۃ کو قرآن والا مقام دیا جائے کیونکہ توراۃ ہدایت

سماوی کا قدیم ایڈیشن ہے۔ جبکہ قرآن جدید ایڈیشن ہے۔ جدید ایڈیشن آنے سے قدیم کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

منکرین حجت

سابقہ شرائع کی حجیت کے منکرین اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں۔

ولکل جعلنا منکم شرعتہ ومنہاجا" (۱۷)
ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے دستور اور راستہ بنایا۔

یعنی "سابقہ شائع کو اگر منسوخ نہ مانیں تو پھر بھی وہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کیلئے الگ الگ شریعت کی خبردی ہے"۔ علاؤ الدین خازن نے بھی اسی آیت سے تباین شرائع پر استدلال کیا ہے۔(۱۸)

بلاشبہ آیت کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے۔ مگر حجیت کے قائلین' اس آیت میں مذکور اختلاف اور تباین کو جزوی اور فروعی اختلاف پر محمول کرتے ہیں اور اس اختلاف کو حجیت سے مانع نہیں سمجھتے۔ مختصر طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ آیت اپنے عموم پر نہیں بلکہ مخصوص منہ البعض سے اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں لفظ شرعہ ذکر کیا گیا ہے جسکے معنی تانت اور دھاگے کے ہیں۔ یعنی اس کا اطلاق بہت چھوٹی اور معمولی چیز پر ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف شرع اور شریعہ کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب ہے ایسا تالاب جس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ (۱۸) یعنی یہ لفظ بڑی چیز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لغوی بنیاد پر مفہوم کے اس فرق سے دوسرے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ شریعتوں میں اختلاف چھوٹی اور معمولی سطح کا ہے۔ جبکہ اتحاد اور موافقت بڑی قسم کا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا جواب یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ تکوینی قسم کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے ہر گروہ کیلئے الگ الگ راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے اس مفہوم کی تائید آیت کے سیاق و سباق سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت کا اگلا حصہ یہ ہے۔

ولو شاء اللہ لجعلکم امتہ واحدۃ (۱۹)

اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت بناتا۔

یعنی تمہارا گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہونا اور الگ الگ راہوں پر چلنا ہی مشیت ایزدی ہے' اس طرح یہ شرعی اور تکلیفی حکم نہیں بلکہ تکوینی امر ہے۔ مزید وضاحت یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ جعل دو مرتبہ آیا ہے دونوں مقاموں پر تشریعی مفہوم تو مراد ہو نہیں سکتا ہے۔ کیونکہ دوسرے مقام پر یقیناً" تکوینی مفہوم ہی مراد ہے۔ لہذا پہلے مقام پر بھی تکوینی مفہوم ہی مراد لیا جائے گا۔

دلیل ۲۔۳ ارشاد باری ہے۔

ولکل وجھتہ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات (۲۰)
ہر ایک کیلئے ایک جانب ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے نیکیوں میں سبقت کرو۔

لکل امتہ جعلنا منسکا ھونا سکوہ (۲۱)
ہر ایک کیلئے ہم نے طریقہ بتا دیا جس پر وہ چلتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں ہر قوم کیلئے الگ قبلہ اور عبادات کے الگ الگ طور طریقوں کا بیان ہے۔ اس سے اختلاف شرائع کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں صرف عبادات کی ادائیگی کے طور طریقوں میں اختلاف کا بیان ہے اور ایسا اختلاف معمولی ہوتا ہے۔ نیز اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے مقام مدح میں پیش نہیں کیا۔ جیسا کہ سیاق و سباق سے واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اس قسم کے جھگڑوں میں نہ پڑو اور ایسے اختلاف کو اہمیت نہ دو بلکہ اصل نیکی کی طرف توجہ دو۔ بقول شبلی دوسری چیز جس کی مذہب میں ثانوی حیثیت ہے اور جو اصل مقصود نہیں۔ ذریعہ ہے وہ بدلتی رہتی ہے اور عہد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک برابر بدلتی رہی۔ اس کا نام شرعہ اور منہاج ہے۔ (۲۲)

دلیل نمبر ۴ حدیث۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کسی اہل کتاب سے ایک کتاب ملی وہ اسے لے کر حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور پڑھ کر سنائی۔ حضور علیہ السلام ناراض ہوئے اور فرمایا اے ابن خطاب! کیا تم اس پر حیران ہوتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس

کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں تمہارے پاس روشن اور واضح شریعت لے کر آیا ہوں۔ تم (اہل کتاب) سے کوئی بات نہ پوچھو کہ وہ تم کو سچی بات بتلائیں تو تم جھٹلاؤ۔ یا وہ جھوٹی بات بتلائیں اور تم اس کی تصدیق کر دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ (۲۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سابقہ مذاہب کی کتب پڑھنا ممنوع ہے۔ ان کتابوں میں سچی اور جھوٹی روایات جمع ہیں۔ ۳۔ موسیٰ علیہ اسلام کی ذات قابل اتباع نہیں۔

مگر اس روایت کے برعکس اسی قسم کی دوسری روایت موجود ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور مسلمانوں کیلئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ اور یہ کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو اللہ نے ہم پر اتارا اور ہم سے پہلے لوگوں پر اتارا۔ (۲۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ممانعت کا تعلق کتاب پڑھنے سے نہیں بلکہ کتاب میں جھوٹ اور سچ کی آمیزش سے ہے۔ لہٰذا نفس کتاب یا نفس شریعت پر اعتراض نہیں۔ بلکہ ممانعت کا تعلق خارجی وجوہات سے ہے اگر خارجی متعلقات دور ہو جائیں تو ممانعت بھی ختم ہو جائے گی۔

نمبر ۲۔ ممکن ہے کہ ابتداء" ممانعت ہو اور بعد میں اجازت دے دی ہو۔ کیونکہ اجازت والی روایت کا تعلق حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے جو موخر الاسلام ہیں۔

نمبر ۳۔ ممکن ہے ممانعت والی روایت کا تعلق توارۃ کی بجائے کسی اور کتاب سے ہو کیونکہ حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ والی روایت میں کتاب کا نام واضح نہیں۔

بہرحال مجموعی طور پر ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح ہے۔ کیونکہ پہلی روایت مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتی ہے جبکہ دوسری روایت سے عموم کا اظہار ہوتا ہے نیز اس کا تعلق بخاری شریف سے ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ منکرین حجیت کے پاس بھی قرآن و حدیث سے دلائل ہیں۔

فقہ جعفری کی رو سے سابقہ شرائع کی حیثیت

فقہ جعفری میں بنیادی حیثیت ائمہ معصومین کے اقوال و افعال کو حاصل ہے۔ فقہ کی عام کتاب کو وہ مقام حاصل نہیں۔ جو اہل سنت کے ہاں فقہی کتب کو ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام معصوم کے حوالے سے قول پیش کیا جائے تاکہ فقہ جعفری کا نکتہ نظر واضح ہو۔

امام ابوالحسن الرضا رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص پر کچھ لوگوں نے حملہ کر دیا' اس نے دوسرے شخص سے مدد طلب کی اور وہ اس کی مدد کیلئے بھاگا۔ راستے میں ایک شخص کنویں منڈیر پر کھڑا تھا۔ جو ٹکر لگنے سے کنویں میں گرا اور مر گیا۔ اب اس متوفی شخص کی دیت مدد کرنے والے پر ہو گی یا مدد طلب کرنے والے پر؟

امام ابوالحسن الرضا رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی دیت مدد طلب کرنے والے پر ڈال دی اور فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مرتبہ ہوا کو حکم ہوا کہ فلاں مقام پر ایک کشتی ڈوب رہی ہے اس کی مدد کو پہنچ۔ راستے میں ایک عورت اپنے مکان کی چھت پر کھڑی تھی۔ ہوا کی تیز رفتاری سے وہ عورت گری اور اس کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے کہا اے اللہ میری رہنمائی کر کہ میں اس بارے میں کیا فیصلہ دوں؟ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اس کی دیت کشتی والوں پر ڈال دو کیونکہ یہ حادثہ انہی کی وجہ سے پیش آیا۔ (۲۵)

مندرجہ بالا واقعہ میں امام ابو الحسن الرضا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے سے استشہاد کیا اور اس کے مطابق خود بھی فیصلہ دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ انبیاء علیم السلام کے واقعات سے استشہاء کرنا جائز ہے اور ان کی شریعتیں حجت ہیں۔

سابقہ شرائع کی تکلیف۔ (مکلف ہونا)

سابقہ شرائع کی حیثیت سے متعلق ایک بحث یہ ہے کہ حضور علیہ السلام بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کسی سابقہ شریعت کے مکلف تھے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب بعض شوافع' امام احمد کی ایک روایت اور متاخرین سے یہی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم سابقہ شرائع کے غیر منسوخ شدہ احکام کے مکلف تھے۔ اس طرز پر کہ آپ کی طرف ان کی وحی ہوئی نہ کہ ان کی کتب مبدلہ کی حیثیت سے۔ اشاعرہ اور معتزلہ اس کے منکر ہیں" (۲۶) اسی طرح حصاص کا قول ہے۔

فلا یختلف احد فی تجویز ان یتعبد اللہ رسولہ بشریعتہ موافقتہ لشرائع من کان قبلہ (۲۷)
اس بات کے جائز ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اللہ اپنے رسول کو سابقہ شرائع کے موافق کسی شریعت کا مکلف بنا دے۔

معلوم ہوا کہ علماء کا مجموعی رجحان آپ کے مکلف ہونے کا ہے۔ تاہم ان میں پھر اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام کس شریعت کے مکلف تھے۔ اس معاملے میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے چار اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت۔ کیونکہ قرآن نے لفظ شریعت کی نسبت ان چاروں کی طرف کی ہے۔ مثلاً" ارشاد باری ہے۔

والذی اوحینا الیک وما وصی بہ ابراہیم و موسی و عیسی ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیہ (۲۸)
تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی۔ اور جس کی وحی آپ کی طرف کی اور جس کی وصیت ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کو کی کہ دین قائم کرو اور اس میں اختلاف پیدا نہ کرو۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کے حوالے سے حضور علیہ السلام کے قبل از بعثت' سابقہ شرائع کے مامور ہونے پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"قبل از بعثت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا صدقہ و خیرات کرنا حج و عمرہ کرنا' جانوروں کو ذبح کرنا مردار سے بچنا ایسے امور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی شریعت کے پابند تھے۔ کیونکہ محض عقل کی بنیاد پر ان چیزوں سے نہیں بچا جا سکتا۔ لہٰذا یہ اجتناب کسی نقل کی بنیاد پر ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ ان کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے اور ظن

پر شریعت کا مدار نہیں ہوتا۔ لہٰذا سابقہ شریعت کی تکلیف ثابت نہیں۔
نماز، روزہ، حج وغیرہ جو آپ نے ادا کئے ممکن ہے۔ بطور تبرک کئے ہوں نہ
کہ مکلف ہونے کی بناء پر۔ اگر حضور علیہ السلام کسی کی پیروی کرتے تو
برملا اس کا اظہار کرتے اور اس پر فخر کرتے۔ مگر یہ ثابت نہیں"۔ (۲۹)

مندرجہ بالا بحث میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے قائلین حجیت کا موقف پیش کیا اور پھر ان پر اشکالات وارد کئے۔ مگر آپ کی یہ بحث بھی قابل غور ہے۔ یعنی ان اشکالات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً" پہلا شبہ کہ حضور علیہ السلام کا نماز، روزہ، حج اور ممنوعہ احکام سے بچنا ظنی الثبوت ہیں، کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا ظنی الثبوت ہونا تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی ان سے کم از کم تائید تو نکلتی ہے جبکہ مخالفین کے پاس اس قدر تائید بھی موجود نہیں۔

دوسرا شبہ کہ حضور علیہ السلام نے یہ افعال بطور تبرک کئے ہوں نہ کہ مکلف ہونے کی بناء پر، محض ایک مفروضہ ہے جس کیلئے ثبوت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو اپنا امام تسلیم کرتے تھے تو پھر یہ کام اقتداء کے طور پر ہونگے نہ کہ تبرک کے طور پر۔

تیسرا اشکال کہ اگر پیروی میں مامور ہوتے تو اس پر فخر کرتے، کا جواب یہ ہے اہل عرب ابراہیمی سنت پر فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری سے واضح ہوتا ہے۔

ملتہ ابیکم ابراہیم (۳۰)
تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین۔

یعنی حضرت ابراہیمؑ کے دین اور ان کے باپ ہونے کی نسبت سب کی طرف کی تو جب ابراہیمی طریقے مجموعی طور پر ان میں موجود تھے تو پھر حضور علیہ السلام کو انفرادی طور پر فخر کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

بہرحال امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بحث قبل از نبوت کی زندگی کے حوالے سے کی ہے۔ اگر بعد از نبوت کے حوالے سے اس بحث کو اٹھایا جائے تو متعدد احادیث ہماری رہنمائی کرتی ہیں مثلاً" حضور علیہ السلام سے متعلق بیان ہے۔

کان رسول اللہ یعجبہ موافقتہ اہل الکتاب فی بعض مالم یومر بہ (۳۱)

جن امور کی وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ آئی ہوتی۔
آپ کو ان امور میں اہل کتاب کی موافقت اچھی لگتی۔

اسی طرح جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اہل مدینہ سے عاشورے کے روزے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ فرعون سے نجات پانے کی خوشی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا تھا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

انا احق بموسی منکم قال فصامہ رسول اللہ وامر بصومہ (۳۲)
میں تم سے زیادہ موسیٰ کا حق دار ہوں۔ راوی نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا روزہ رکھا۔ اور اس کے روزے کا حکم دیا۔

پہلی روایت سے اہل کتاب کے ساتھ عمومی موافقت اور دوسری روایت سے روزے کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ ان دونوں روایتوں کا تعلق مدنی زندگی کے ساتھ ہے۔ اس لئے قبل از نبوت یا مکی دور کی نسبت ان کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فبھداھم اقتدہ (۳۳)
انکی ہدایت کی اقتداء کرو

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ داؤد علیہ السلام کی تقلید کریں۔ (۳۴)

معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس حضرت داؤد علیہ السلام کی شریعت کو قابل اتباع سمجھتے ہیں۔ نیز حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت داؤدؑ دونوں ہی صاحب کتاب اور صاحب اقتدار تھے۔ یہ اشتراک کسی اور جگہ نظر نہیں آتا۔

یاد رہے کہ مندرجہ بالا روایات کے برعکس بعض ایسی روایات بھی ہیں۔ جن سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا اظہار ہوتا ہے اور وہ آیات بھی مدنی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مسلسل عداوت، حسد، تعصب اور سازشوں کی وجہ سے آپ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا۔ اس مخالفت کا تعلق یہود کی ذات اور کردار سے تھا۔ نہ کہ ان کے

مذہب یا شریعت سے۔

ہر نبی کی الگ شریعت

اس سلسلے میں بحث یہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت الگ اور مستقل ہوتی ہے یا ذیلی بھی ہو سکتی ہے۔ اس معاملے میں تین موقف سامنے آتے ہیں۔

۱۔ قدریہ فرقہ کے بعض افراد کا نظریہ ہے کہ ہر نبی کیلئے الگ شریعت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ نئی شریعت نہیں لاتا تو اس کی بعثت کا کوئی فائدہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بلافائدہ نہیں بھیجتا۔ اس بناء پر اگر سابقہ شریعت مٹ چکی ہو تو اس کی مثل نئی شریعت لانا ضروری ہے اور اگر سابقہ شریعت موجود ہو تو اس کی مثل معہ اضافات لانا ضروری ہے اور یہ کہ ایک نبی ایک قوم کی طرف اور دوسرا نبی دوسری قوم کی طرف مبعوث ہو۔ (۳۵)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں کہ ایک قوم کی طرف دو بلکہ تین نبیوں کی بعثت قرآن سے ثابت ہے۔ **مثلاً**"

> **اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث (۳۶)**
>
> ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے۔ تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا۔ پھر تیسرے کے ذریعہ قوت دی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ و ھارون نیز حضرت داؤد اور سلیمان بھی ایک قوم کی طرف دو نبی تھے۔ بلکہ محسوسات میں دیکھیں تو دو آنکھیں ہیں مگر وہ ایک چیز کو دیکھتی ہیں۔ یعنی ان کا مقصد ایک ہے۔ **لہٰذا** ایک مقصد کیلئے دو چیزوں کا ہونا غلط اور بے فائدہ نہیں۔ (۳۷) اس طرح آپ نے نقلی و عقلی دونوں طریقوں سے اس مسلک کی تردید کی۔

۲۔ دوسرا مسلک بعض حنفی علماء کا ہے **مثلاً**: صدر الشریعہ لکھتے ہیں۔

> شرائع من **قبلنا** میں اصول یہ ہے کہ وہ مخصوص بالزمان ہوتی ہیں۔ ہاں گر کوئی دلیل قائم ہو جائے کہ دوسرا نبی پہلے کا تابع ہے۔ **مثلاً**" حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کیلئے اور حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ کیلئے۔ اسی طرح مکانی اعتبار سے بھی خصوصیت ہوتی ہے۔ **مثلاً**" حضرت شعیب علیہ السلام اہل

مدین اور اصحاب ایکہ کیلئے اور حضرت موسیٰ اپنی قوم کیلئے چونکہ اصول یہی ہے کہ خصوصیت ہو۔ اس لئے زمانی' مکانی اور امت کے اعتبار سے عمومیت ثابت نہیں ہو گی۔ (۳۸)

یہ دوسرا موقف نسبتاً" لچکدار اور معتدل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مستقل نبوت اور مستقل شریعت کا یہ اصول کلی نہیں بلکی عمومی ہے۔ اس لئے بعض مقامات پر انبیاء کی شریعتوں میں موافقت و شراکت بھی پیدا ہو جائے گی۔ جیسا کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اس قسم کے انبیاء کی الگ شریعت نہ تھی بلکہ وہ سابقہ شرائع کی طرف دعوت دیتے تھے"۔ (۳۹)

معلوم ہوا کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ بھی ہر نبی کیلئے الگ شریعت کے قائل نہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے لئے بھی الگ شریعت نہ تھی۔ کیونکہ ارشاد باری ہے۔

واذ علمتک الکتٰب والحکمتہ والتوارۃ والانجیل (۴۰)
جب میں نے تجھے کتاب' حکمت' توراۃ اور انجیل سکھائی۔

اللہ تعالیٰ نے توراۃ کی تعلیم کو مقام انعام پر بیان کیا ہے اگر وہ منسوخ تھی یا غیر متعلقہ تھی تو اس کی تعلیم کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

۳۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ "حضور علیہ السلام تمام شرائع میں اصل کی حیثیت رکھتے ہیں آپکی شریعت تمام لوگوں کیلئے عام ہے۔ آپ پہلی شریعتوں کے محاسن اور مکارم اخلاق کے وارث ہیں"۔ (۴۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ثم اور ثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا (۴۲)
پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کا انتخاب اپنے بندوں میں سے کیا۔

اس طرح حضور علیہ السلام تمام شریعتوں کے جامع بنتے ہیں۔ جس سے سابقہ شرائع کے ساتھ تغایر کی بجائے توافق کا پہلو ہی نکلتا ہے۔ موجودہ دور کے جید علماء کا بھی یہی مسلک ہے۔ مثلاً" شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ہمارے پیغمبر اسلام سے قبل جس قدر بھی انبیاء تشریف لائے ان کا دستور اور طریقہ یہی تھا کہ وہ وقتاً" فوقتاً" احکام کو زیادہ ہی کرتے تھے کم نہیں کرتے تھے۔ نیز ان امور و احکام کو تبدیل بھی نہیں کرتے تھے۔ اگر تبدیل بھی کرتے تو شاذ و نادر (۴۳) معمولی نسخ۔

۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

جس توریتی اور انجیل حکم سے قرآن نے سکوت کیا وہ برقرار رہے گا....... غرض شرع من قبلنا بھی اسلامی قانون کا ماخذ ہے۔ بشرطیکہ ان کو صحت کا حکم ملے اور قرآن و حدیث نے ان کو بدلنے کا حکم نہ دیا ہو۔ (۴۴)

اس عبارت سے بھی اتحاد شرائع، ان کی حجیت بلکہ باقاعدہ ماخذ ماننے کا واضح نظریہ سامنے آتا ہے۔

۳۔ ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں۔

فی الحقیقت حضرت مسیحؑ کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا معیار احکام ایک ہی ہے۔ فرق صرف بیان اور پیرایہ کا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے تزکیہ قلب پر زور دیا اور کوئی نئی شریعت پیش نہیں کی۔ کیونکہ شریعت موسوی موجود تھی اور اس میں تبدیلی بھی کرنا چاہتے ہیں۔ (۴۵)

اس عبارت سے بھی تین جلیل القدر نبیوں یعنی حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتوں میں اتحاد معلوم ہوتا ہے۔

سابقہ شرائع کا نسخ

اس میں شک نہیں کہ سابقہ شرائع میں نسخ واقع ہوا ہے۔ بلکہ جمہور علماء کے قول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں بھی (جزوی) نسخ واقع ہوا ہے۔ مثلاً" تحویل قبلہ وغیرہ۔ جہاں تک سابقہ شریعتوں کا تعلق ہے۔ تو اس میں علماء کا شدید اختلاف ہے۔ بعض مکمل نسخ کے قائل ہیں۔ جبکہ دیگر علماء جزوی نسخ مانتے ہیں۔ اس قسم کی ایک بحث ابوبکر حصاص نے اس آیت کے ضمن میں اٹھائی ہے۔

قل یا ھل الکتاب لستم علی شی حتیٰ تقمو التوارۃ والانجیل (۴۶)
کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں۔ یہاں تک کہ توراۃ اور انجیل قائم کرو۔

آپکی تشریح کا خلاصہ یہ ہے۔ "اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ پہلے انبیاء کی شریعتیں جو حضور علیہ السلام کی بعثت سے منسوخ نہیں ہوئیں۔ وہ ثابت الحکم اور ہمارے نبی کی شریعت کا حصہ ہیں۔ ورنہ ان پر قائم رہنے اور ان پر عمل کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے۔ کہ یہ بات معلوم ہے کہ پہلے انبیاء کی شریعتوں کا بیشتر حصہ منسوخ ہو چکا ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ آیت نسخ کثیر کے بعد نازل ہوئی ہو اور اس سے مراد صرف یہ ہو کہ توراۃ اور انجیل میں مذکور حضور علیہ السلام کی صفات اور قرآن پر ایمان لاؤ۔ اس کا جواب یہ ہو گا کہ اگر یہ آیت انبیاء متقدمین کی شریعت کی منسوخی سے قبل نازل ہوئی۔ تو ان شریعتوں کو اختیار کرنے اور انکی بقاء کی خبر ہو گی اور اگر یہ آیت نسخ کثیر کے بعد نازل ہوئی۔ تو پھر بقیہ غیر منسوخ حصہ کے متعلق یہ حکم باقی رہے گا۔ (۴۷)

یعنی اگر سابقہ شرائع میں نسخ کثیر کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی بقیہ حصہ ہمارے لئے حجت ہو گا۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کو حکم ہے کہ وہ توراۃ' انجیل اور قرآن کو قائم کریں اور تینوں کا قیام اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان میں اختلاف نہ ہو بلکہ موافقت ہو۔

ارشاد باری ہے۔

وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ (۴۸)
انکے پاس توراۃ ہے۔ اس میں اللہ کا حکم ہے۔
ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ (۴۹)
انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آیات سے آپ (حصاص) نے عدم نسخ پر استدلال کیا۔ اور اپنے مسلک کے بھرپور نمائندگی کی۔

نسخ کی اس بحث میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک فیصلہ بھی قابل ذکر ہے۔ جبکہ یہودیوں نے زنا کے ایک مقدمہ میں حضور علیہ السلام کو قاضی بنایا۔ آپ نے جرم ثابت ہونے

پر ملزم کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اب علماء کا اختلاف ہے کہ حضور علیہ السلام نے سنگساری کا یہ حکم توراتی شریعت کی بنیاد پر دیا۔ یا بذریعہ وحی نیا حکم آیا تھا۔ پہلی صورت کو تبقیہ اور دوسری صورت کو مبتداء کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

اس معاملے میں ابوبکر جصاص (۵۰) اور ڈاکٹر حمید اللہ فرانسیسی (۵۱) کا نظریہ یہ ہے کہ رجم کا یہ حکم توراتی شریعت کی بنیاد پر دیا گیا۔ یعنی توراۃ کا حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔ نیز وہ حکم ہمارے لئے بھی حجت ہے۔

ابوبکر جصاص کی دوسری رائے یہ ہے کہ توراۃ والا حکم منسوخ ہو چکا تھا۔ بعدازاں نئے سرے سے رجم کا حکم نازل ہوا اور اسکی بنیاد پر حکم دیا گیا۔ (۵۲)

ابو عبداللہ قرطبی کی رائے ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہودیوں کے متعلق یہ فیصلہ انہی کی شریعت کے مطابق دیا (۵۳) قرطبی کی اس رائے کی تائید میثاق مدینہ سے بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ یہودیوں کے فیصلے ان کی شریعت کے مطابق ہونگے۔ نیز حضور علیہ السلام نے اس موقع پر خود بھی فرمایا تھا۔ میں یہ فیصلہ توراۃ کے مطابق کر رہا ہوں۔ پھر ان دونوں کی سنگساری کا حکم دیا۔ (۵۴) اس نظریہ کے مطابق اس فیصلہ کا ہماری شریعت یا ہماری بحث سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ کیونکہ نسخ کے مسئلہ پر اس سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

بہرحال سابقہ شرائع کے نسخ کے اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے ہم نسخ کی تین اقسام بیان کرتے ہیں ۱۔ نسخ کل ۲۔ نسخ بعض ۳۔ نسخ اکثر۔

پہلی قسم یعنی سابقہ شرائع میں نسخ کل کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ مثلاً" امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ سابقہ شرائع کی عدم حجیت کے قائل ہیں۔ لیکن ان کی رائے یہ ہے۔

فلا خلاف فی ان شرعنا لیس بنا سخ جمیع الشرائع بالکلیہ (۵۵)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہماری شریعت (سابقہ) تمام شریعتوں کو مکمل طور پر منسوخ نہیں کرتی۔

امام شاطبی کی بھی یہی رائے ہے کہ کلیات میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔ (۵۶) معلوم ہوا کہ نسخ کل نہ ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اسی طرح دوسری قسم یعنی نسخ بعض یا جزوی نسخ بھی اتفاقی مسئلہ ہے۔ یعنی اس کا وقوع مسلمہ ہے۔ اب صرف تیسری قسم سے متعلق اختلاف ہے۔ یعنی

اکثر ہوا یا کہ نہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض علماء کثیر کا لفظ بولتے ہیں۔ لیکن اس کا حقیقی مفہوم یعنی نصف سے زیادہ ان کی مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ متعدد احکام میں نسخ واقع ہوا ہے۔ اس طرح یہ لفظ نسخ قلیل کا ہم معنی بن جاتا ہے۔ مثلاً اثیر الدین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں۔

لان شرعه نسخ كثيرا من شرع موسى (۵۷)
اس لئے کہ آپ کی شریعت نے موسیٰ کی شریعت کا اکثر حصہ منسوخ کر دیا۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

لان شريعته عيسى هى شريعته موسى الا فى النزر (۵۸)
اس لئے کہ عیسیٰ کی شریعت' موسیٰ ہی کی شریعت ہے معمولی مقدار کے سوا۔

بظاہر ان دونوں عبارتوں میں تعارض ہے لیکن اگر کثیر کا معنی متعدد سے کیا جائے تو یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے دیگر مقامات اور مختلف عبارتوں میں بھی اس انداز سے مطابقت پیدا کی جا سکتی ہے۔ جس سے یہ نزاع ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ مطلق نسخ یا نسخ کثیر کا مطلب نسخ بعض بن جائیگا۔ جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اس قسم کے تعارض و تضاد کی مزید مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ا۔ فخر الدین رازی ذاتی طور پر نسخ شرائع کے قائل ہیں۔ (۵۹) مگر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

تمام انبیاء بھلائی کے کام شروع کرتے وقت بسم اللہ سے آغاز کرتے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی پر بھی یہ واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ان لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ آپ بھی انہی کی ہدایت کی اقتداء کریں۔(۶۰)

اس جگہ اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ اگر سابقہ شرائع منسوخ ہیں تو پھر ان انبیاء کے کسی قول یا عمل سے استدلال کرنے یا انکی اقتدا کرنے کا جواز کیسے نکالا۔

۲۔ ابن کثیر لکھتے ہیں پیغمبر اخر الزماں کا دین بھی اور تمام اگلی شریعتوں کا ناسخ تھا۔ (۶۱)

پھر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ آپ کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک ہماری شریعت کا اس پر انکار نہ ہو۔ (۶۲) اس جگہ بھی وہی اشکال ہے کہ جب پہلی شریعتیں منسوخ ہیں تو پھر ہماری شریعت بننے کا کوئی امکان سرے سے ہی نہیں رہتا۔

ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں توراۃ اور انجیل کی شریعت منسوخ ہے اور اس پر عمل کرنا گمراہی ہے۔ (۶۳) مگر دوسری جگہ لکھتے ہیں پہلے انبیاء کی شریعتیں ہمیں لازم ہیں۔ (۶۴)

یہاں بھی وہی اعتراض ہے کہ منسوخ شریعت پر عمل کرنا تو گمراہی ہے پھر اس پہ عمل کرنا لازم کیسے ہو گیا۔

اس تعارض کا حل یہی ہے کہ یہ علماء جزوی اختلافات یا جزوی نسخ کو مطلقاً نسخ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مکمل نسخ کے قائل ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کی تائید خازن کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

بعث الله عيسى عليه اسلام فجاء هم بشريعته جديدة و غير بعض احكم التوراة (۶۵)

اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ نئی شریعت لائے اور توراۃ کے بعض کے احکام تبدیل کئے۔

اس جگہ خازن نے صرف بعض احکام کی تبدیلی کو نئی شریعت سے تعبیر کر دیا۔ حالانکہ جزوی تبدیلی کو جدید شریعت سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ جزوی تبدیلی تو ایک شریعت میں بھی ہو جاتی ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ شرائع میں نسخ کل یا اکثر نہیں بلکہ نسخ بعض ہے۔ مطلقاً نسخ سے مراد بھی نسخ بعض ہی ہوتا ہے۔ جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

تداخل و توافق

قائلین حجیت کا ایک موقف یہ ہے کہ سابقہ شرائع کا محمدی شریعت کے ساتھ اتحاد و

اشتراک ہے اس لئے وہ شریعتیں ہمارے لئے حجت ہیں۔ مثلاً" شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

صحیفہ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد' جس کا نہایت خلاصہ توراۃ کے سفر تکوین میں ہے۔ صحیفہ موسیٰ نازل ہوا۔ صحیفہ موسیٰ کے نو پیدا اختلاف کو دور کرنے کیلئے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے۔ پھر انجیل آئی اور انجیل میں انسانی تصرفات کے بعد قرآن آیا۔ چونکہ قرآن دنیا کے آخر تک کیلئے آیا ہے اس لئے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اس کی حفاظت کی گئی ہے۔ (٦٦)

اتحاد و اشتراک کے اس مفہوم کو تداخل اور توافق کے اصطلاحی الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے۔ تداخل کا لفظ ابراہیمی شریعت کیلئے بولا جاتا ہے۔ یعنی آپکی شریعت' محمدی شریعت میں داخل ہو گئی۔ مثلاً" جصاص لکھتے ہیں۔ (واتبع ملتہ ابراہیم حنیفا) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو چیزیں ابراہیمی ملت سے ہوں ہم پر اسکی اتباع لازم ہے۔ اگر یہ اشکال ہو کہ پھر تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ابراہیمی شریعت بن گئی تو جواب یہ ہو گا کہ ابراہیم کی شریعت ہمارے نبی کی شریعت میں داخل ہے اور ہمارے نبی کی شریعت میں کچھ اضافے ہیں۔ (٦٧)

علاؤ الدین خازن بھی انہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اور ملت' محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اور ملت میں بہت سے عمدہ اضافوں کے ساتھ داخل ہے۔ (٦٨)

مندرجہ بالا دونوں حوالوں سے یہ تو معلوم ہوا کہ ابراہیم کی شریعت ہمارے نبیؑ کی شریعت کا حصہ بن گئی۔ مگر وہ شریعت ہے کیا؟ اس کی زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ تاہم کچھ احکام مسائل احادیث سے دستیاب ہوتے ہیں۔ مثلاً" قربانی حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ ہے۔ (٦٩) حج کے افعال اور روزے آپ کا ورثہ ہے۔ (٧٠) حرم کی عزت و حرمت آپ کی باقیات سے ہے۔ (٧١) مسجد میں اعتکاف قدیم شریعت کا حصہ ہے وغیرہ۔ (٧٢) اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش طہارت کے ساتھ کی۔

جن میں سے پانچ کا تعلق سر کے ساتھ اور پانچ کا تعلق جسم کے ساتھ ہے۔ سر کی پانچ طہارتیں یہ ہیں۔ مونچھیں کٹوانا' کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' مسواک کرنا' سر کے بالوں میں مانگ

نکالنا، جسم کی پانچ طہارتیں یہ ہیں۔ ناخن کٹوانا، موئے زیر ناف کٹوانا، ختنہ کرنا، بغل کے بال نوچنا، پیشاب کے بعد استنجا کرنا۔ (۷۳)

مندرجہ بالا مسائل کا تعلق بنیادی طور پر ابراہیمی شریعت کے ساتھ تھا۔ مگر اب وہ محمدی شریعت کا حصہ ہیں۔

توافق

توافق کی اصطلاح دیگر انبیاء علیھم السلام بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی شریعت کیلئے مستعمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سابقہ شرائع کے منسوخ احکام کے علاوہ دیگر احکام کا محمدی شریعت کے ساتھ اتفاق ہے۔ مثلاً" شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

> تمام انبیاء کرام نیکی کی اصولی اقسام پر متفق ہیں۔ مثلاً" طہارت و پاکی، نماز، روزہ، حج، نفل، طاعات و عبادات، دعا، ذکر الٰہی، اللہ کی نازل کردہ کتاب کی تلاوت وغیرہ۔ اعمال کے ذریعہ تقریب الٰہی کا حصول۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام نکاح کی ضرورت، زنا کی حرمت، عدل و انصاف قائم کرنے، ظلم و جور کی حرمت، عاصی مجرم پر حدود الھیہ کا اجراء کرنے، خدا کے دشمنوں سے جہاد کرنے، اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے اور دین کی اشاعت میں سعی و کوشش کرنے پر متفق ہیں۔ (۷۴)

مندرجہ بالا پیرے میں چند اصولی احکام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ آج اگر ہم خود قرآن اور توراۃ کا مطالعہ کریں تو بہت سے جزوی اور فروعی مسائل بھی موافقت و یگانگت نظر آتی ہے مثلاً":

قتل عمد میں قتل کی سزا استثناء ۱۹ : ۱۳
قتل خطاء میں قتل نہیں استثناء، ۱۹ ـ ۶
جادوگرنی کا قتل، خروج، ۲۲ : ۱۸
مرتد کا قتل، استثناء، ۱۲ : ۷
قذف پر کوڑوں کی سزا۔ استثناء ۲۲ : ۱۸
زنا کی سزا قتل و سنگساری استثناء، ۲۲ : ۲۷

ماکولات

مردار کی حرمت خروج، ۲۲ : ۳۱
خون کی حرمت، احبار ۱۹۷ : ۲۶
پاکیزہ پرندوں کی حلت، حزقیل، ۲۲ : ۹

سود کی حرمت استثناء' ۱۴: ۲۳

نشہ و شراب کی مذمت' امثال' ۲۳: ۲۰ — کاشتکاروں پر عشر نحمیاہ' ۱۱: ۳۷

بتوں کی قربانی کی مذمت' خرقی ایل' ۲۲: ۹ — سود اور رشت کی ممانعت خروج' ۲۲ ۔ ۲۳

دیگر مسائل

مہر کا حکم' خروج' ۱۲: ۱۶ — ماہواری میں جماع کی حرمت' حزقیل' ۲۲: ۱۰

لعان کا ثبوت' گنتی' ۵: ۲۲ — ساس سے نکاح کی حرمت استثناء' ۲۷: ۲۳

خالہ پھوپھی' چچی کی حرمت ۔ احبار' ۲۰: ۲۱

ماتم کی ممانعت' احبار' ۱۹: ۲۸ — اپنے اوپر کچھ نہ گدوانا احبار' ۱۹: ۲۸

نقصان کا معاوضہ' احبار' ۲۵: ۳۲ — گم شدہ چیز بھائی کو واپس کرنا استثناء ۲۲: ۲

یہ نمونہ کی چند مثالیں ہیں۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اصولی مسائل کے علاوہ بہت سے جزوی مسائل میں بھی کسی قدر اشتراک ہے اور یہ کہ توراۃ میں احکام و مسائل کا ذکر کتنی جامعیت کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثم اتینا موسی الکتاب تماما علی الذی احسن و تفصیلا" لکل شی
(۷۵)

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ نیکی کرنے والے پر نعمت پوری ہو اور ہر چیز کی تفصیل ہو۔

یاد رہے کہ اس آیت سے قبل یعنی اسی رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ایسے نو احکام کا ذکر کیا ہے۔ جنہیں مشترکہ احکام کہا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی جابجا قرآن میں اس قسم کے احکامات مذکور ہیں اور یہی انداز بیاں توراۃ کا ہے۔ کہ متفرق مقامات پر احکام بیان کئے گئے ہیں۔

جہاں تک غیر مشترکہ یعنی احکام مبدلہ کی بات ہے تو وہ بھی موجود ہیں۔ یعنی جس طرح شریعت محمدی میں نسخ کی بنیاد پر چند احکام تبدیل ہوئے۔ اسی طرح سابقہ شرائع اور شریعت محمدی میں نسخ کے اصول کے تحت بعض احکام میں ترمیم ہوئی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو احکام مشترک ہیں انکا بھی یہ مطلب نہیں کہ ان میں مکمل آہنگی اور مطابقت ہے۔ بلکہ ان کی جزئیات اور طریق نفاذ میں بھی اختلاف ہے۔ مگر یہ اختلاف چنداں اہمیت کا حامل نہیں۔ کیونکہ شریعت محمدی کے شارحین میں بھی وسیع اختلاف ہے۔ مثلاً" مختلف مسائل میں صحابہ کرام کی آراء الگ الگ ہوئیں۔ تابعین کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ بعدازاں جب فقہ کے چار مکتب باقاعدہ معرض وجود میں آ گئے تو ان کی راہیں مستقل طور پر جدا ہو گئیں۔ حتیٰ کہ ایک امام سے کئی اقوال منقول ہوئے۔ پھر انکے تلامذہ میں بھی یہی صورت حال جاری رہی۔ مثلاً"نماز جیسی بنیادی عبادت میں کس قدر اختلاف موجود ہے۔ فقہ جعفری کے اختلاف سے قطع نظر اگر ایک قرآن و حدیث کو مانتے ہوئے مختصر سی مدت میں یہ اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس اختلاف کو رحمت کا نام دیا جاتا ہے۔ تو پھر جن شریعتوں پر عرصہ دراز گزرا اور جہاں فقہاء کی بجائے انبیاء کا دور تھا۔ جن کے احکام کی بنیاد اجتہاد سے زیادہ وحی پر تھی۔ نیز ان کی تعلیمات و شریعت' حوادث زمانہ کا شکار ہوتے اور مختلف تراجم کا روپ دھارتے اور تحریفی عمل سے گزرتے ہم تک پہنچی۔ تو وہاں اختلاف کی خلیج کا وسیع ہونا ایک قدرتی امر ہے۔

اس بحث کو مدنظر رکھنے سے اختلاف کی وجوہات کا عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ یعنی اختلافات کے عوامل بنیادی طور پر دو ہیں۔ ا۔ ترمیم و تنسیخ جو اللہ کی طرف سے معاشرتی ارتقاء کی بناء پر وقتاً" فوقتاً" واقع ہوئیں۔ ۲۔ انسانی تصرفات جو دانستہ یا نادانستہ طور پر سرزد ہوئے۔ اس طرح توراۃ بذات خود گو آسمانی کتاب ہے لیکن اس کے موجود نسخے انسانی دست برد کی وجہ سے مشکوک ہیں۔ مگر مشکوک ہونا وصف اصلی نہیں بلکہ وصف طاری ہے اور ہماری بحث اس دوسری جہت سے نہیں۔

سابقہ شرائع بحیثیت ماخذ

جو لوگ سابقہ شرائع کی حجیت کے منکر ہیں ان کا تو اس بحث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مگر جو لوگ اسے حجت مانتے ہیں وہ باقاعدہ ایک ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کر کے اس سے مسائل اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً" ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں جس توریت اور انجیل حکم سے قرآن نے سکوت کیا وہ برقرار ہے۔ (۷۶) پھر لکھتے ہیں رجم کا قانون توراۃ اور انجیل میں موجود ہے۔ اور وہ

منسوخ نہیں ہوا۔ اس لئے ہمارا قانون ہے اور واجب التعمیل ہے۔ (۷۷)

دوسری طرف امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو قرآن میں مذکور (السن بالسن دانت کے بدلے دانت) کو توراتی حکم قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں۔ (۷۸) اور اسے شریعت اسلامیہ کا حکم نہیں مانتے۔

اس معاملے میں اعتدال یہ ہو گا کہ سابقہ شرائع کے جو مسائل قرآن و حدیث میں مذکور ہوں انکو بہرحال قبول کیا جائے۔ نیز انکے قصص و واقعات سے بھی احکام کا استخراج کیا جائے۔ اس طریقہ سے اصول فقہ اور فقہ کے متعدد مسائل میں ہم ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں گے۔

۱۔ اصول فقہ کی مثال۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام جنت میں رہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اس درخت کے قریب نہ جانا۔ (۷۹)

مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں۔ اس سے سد ذرائع کا مسئلہ نکلتا ہے۔ یعنی جب کسی چیز کے اختیار کرنے سے حرام کام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس جائز کام سے بھی روک دیا جاتا ہے۔ (۸۰)

یعنی قریب جانا بذات خود منع نہ تھا۔ مگر ممنوعہ کام سے حتمی اجتناب کیلئے اس جائز کام سے بھی روک دیا۔ اس طرح اصول فقہ کا ایک اہم کلیہ "سد ذرائع" اس واقعہ سے مستنبط ہو گیا۔

۲۔ فقہی مسئلہ کی مثال۔ قرآن مجید میں ذبح گائے کا ایک واقعہ منقول ہے۔ جس کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ مقتول کا قاتل معلوم کرنے کیلئے گائے ذبح کریں۔ پھر اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ لگائیں۔ تو وہ مقتول شخص زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے گا۔ انہوں نے کچھ حیل و حجت کے بعد اس پر عمل کیا اور مقتول نے قاتل کا نام بتا دیا۔

اس واقعہ سے امام مالک استدلال کرتے ہیں کہ مقتول کا قول معتبر ہے۔ (وہ مکلف ہے) جبکہ جمہور کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ کیونکہ مقتول کی دوبارہ زندگی معجزہ تھی اور معجزے سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ابن العربی اس کا جواب دیتے ہیں۔ کہ معجزہ کا تعلق دوبارہ زندگی سے تھا۔ جب وہ زندہ ہو گیا تو قبول اور عدم قبولیت میں اس کا قول عام لوگوں کی طرح ہو گیا۔ یہ

استنباط امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی ذہانت ہے۔ (۸۱)

اس استنباط کی تائید حضرت عزیز علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو سو سالہ موت کے بعد زندہ ہوئے اور پھر مکلفانہ زندگی بسر کی۔

گزشتہ زمانہ میں اس جزئیہ کی حیثیت محض نظری تھی۔ مگر اب سائنسی ترقی کی بدولت خاصا امکان ہے کہ مستقبل قریب میں کسی مقتول کو چند لمحوں کیلئے زندہ کرلیا جائے۔ پھر اس سے قاتل یا ڈاکو وغیرہ کی نشاندہی کروائی جائے۔ اس طرح سابقہ شرائع کو ماخذ بنا کر بہت سے مقامات پر استفادہ کرلیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ لسان العرب، ۸: ۱۷۶

۲۔ احکام القرآن لجصاص، ۲: ۴۴۳

۳۔ لسان العرب ۸: ۱۷۶

۴۔ مصباح اللغات

۵۔ سورہ یوسف، ۷۶

۶۔ ادب القاضی، ۵۴

۷۔ سورۃ البینۃ، ۴

۸۔ ادب القاضی، ۵۵

۹۔ احکام القرآن، ۱: ۱۲۲ از اشرف علی تھانوی

۱۰۔ اصول بزدوی، ۲۳۴

۱۱۔ سورۃ انعام، ۹۱

۱۲۔ روح المعانی، ۷: ۲۱۶

۱۳۔ سورہ ممتحنہ، ۴

۱۴۔ الموافقات، ۴: ۲۳۸

۱۵۔ سورۃ مائدہ، ۴۴

۱۶۔ سورۃ مائدہ ۴۸

۱۷۔ خازن، ۱: ۴۶۴

۱۸۔ لسان العرب

۱۹۔ سورۃ مائدہ، ۴۸

۲۰۔ سورۃ البقرہ، ۱۴۸

۲۱۔ سورۃ الحج، ۲۷

۲۲۔ عقائد از شبلی نعمانی، ۲۰۵

۲۳۔ مسند احمد، ۳: ۳۸۷

۲۴۔ بخاری کتاب التفسیر باب ۵۷۴

۲۵۔ الکافی، ۷: ۳۶۹

۲۶۔ خازن، ۱: ۳۶۱

۲۷۔ احکام القرآن، ۲: ۴۴۳

۲۸۔ سورہ شوریٰ، ۱۳

۲۹۔ المستصفی ۱: ۳۲

۳۰۔ سورۃ الحج، ۷۸

۳۱۔ مسند احمد، ۱: ۲۶۱

۳۲۔ ایضاً ”، ۱: ۲۹۱

۳۳۔ سورۃ انعام، ۹۱

۳۴۔ مسند احمد ۱: ۲۴۰

۳۵۔ المستصفی، ۱: ۳۳

۳۶۔ سورۃ یٰسین، ۱۴

۳۷۔ المستصفی، ۱: ۳۳

۳۸۔ توضیح تلویح، ۲: ۴۴۶

۳۹۔ المستصفی، ۱: ۹۴

۴۰۔ سورہ مائدہ، ۱۰

۴۱۔ اصول بزدوی، ۲۳۴

۴۲۔ سورہ فاطر، ۳۲

۴۳۔ حجۃ اللہ البالغہ باب ۲۱

۴۴۔ خطبات بہاول پور ۳۳۰

۴۵۔ تصورات قرآن، ۱۳۲

۴۶۔ سورۃ مائدہ، ۶۸

۴۷۔ احکام القرآن للجصاص، ۲۷: ۵۴۰

۴۸۔ سورۃ مائدہ، ۴۳

۴۹۔ سورۃ مائدہ، ۴۷

۵۰۔ احکام القرآن، ۲: ۴۴۲

۵۱۔ خطبات بہاولپور، ۳۳۰

۵۲۔ احکام القرآن، ۳: ۳۵۸

۵۳۔ الجامع لاحکام القرآن، ۶: ۱۸۹

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ المستصفی، ۱: ۳۳

۵۶۔ الموافقات، ۳: ۱۰۵

۵۷۔ المحیط، ۱: ۴۰۷

۵۸۔ ایضاً ۱: ۴۰۸

۵۹۔ التفسیر الکبیر، ۳۔۴: ۷۹

۶۰۔ ایضاً، ۱: ۱۹۹

۶۱۔ ابن کثیر، ۳: ۷۰

۶۲۔ ابن کثیر، ۳: ۳۳

۶۳۔ احکام القرآن، ۳: ۹۱

۶۴۔ احکام القرآن، ۲: ۴۳۸

۶۵۔ خازن، ۱: ۴۳

۶۶۔ عقائد از شبلی، ۱۹۹

۶۷۔ احکام القرآن، ۲: ۲۸۲

۶۸۔ خازن، ۱: ۴۰۱

۶۹۔ ابن ماجہ شریف، کتاب الاضاحی

۷۰۔ موافقات، ۳: ۵۰

۷۱۔ احکام القرآن، ۱: ۴۳

۷۲۔ حجۃ اللہ البالغہ باب نمبر ۲۱

۷۳۔ احکام القرآن، ۱: ۲۶

۷۴۔ حجۃ اللہ البالغہ باب ۱۸

۷۵۔ سورۃ انعام، ۱۵۵

۷۶۔ خطبات بہاول پور، ۹۴

۷۷۔ ایضاً" ۳۳۰

۷۸۔ المستصفی' ۳۴۳

۷۹۔ سورہ بقرہ' ۳۵

۸۰۔ معارف القرآن' ۱:۱۹۵

۸۱۔ الجامع لاحکام القرآن' ۱:۴۵۷

کتابیات

۱۔ آلوسی ابوالفضل محمد شہاب الدین	روح المعانی	مکتبہ رشیدیہ لاہور
۲۔ ابوبکر احمد بن علی جصاص	احکام القرآن	بیروت
۳۔ ابن کثیر عماد الدین ابوالفداء	تفسیر القرآن العظیم	القاہرہ مصر
۴۔ ابن ماجہ محمد بن یزید قزوینی	سنن ابن ماجہ	دار احیاء الکتب العربی
۵۔ ابن منظور جمال الدین محمد مکرم	لسان العرب	قاہرہ مصر
۶۔ ابوالکلام آزاد	تصورات قرآن	داتا پبلی کیشنز لاہور
۷۔ اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف	البحر المحیط	مکتبہ ریاض
۸۔ احمد بن محمد بن حنبل	مسند الامام احمد	قاہرہ مصر
۹۔ اشرف علی تھانوی	احکام القرآن	مطبع سیرت پریس کراچی ۱۳۸۷
۱۰۔ بخاری محمد بن اسماعیل	الجامع الصحیح	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۱۱۔ بزدوی علی بن محمد	اصول بزدوی	شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۱۲۔ حمید اللہ ڈاکٹر فرانسیسی	خطبات بہاول پور	ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۱۳۔ خازن علاوء الدین علی بن محمد	لباب التاویل فی معانی التنزیل	مکتبہ ازہر ۱۳۲۸
۱۴۔ رازی فخرالدین محمد بن عمر	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	مطبعۃ الازہر قاہرہ
۱۵۔ شبلی نعمانی	عقائد	نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
۱۶۔ صدر الشریعہ ابو عبیداللہ بن مسعود	التوضیح والتلویح	نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۷۔ غزالی ابو حامد محمد بن احمد	المستصفی من علم الاصول	قاہرہ مصر ۱۳۵۴
۱۸۔ قرطبی ابو عبداللہ محمد بن احمد	الجامع الاحکام القرآن	قاہرہ مصر ۱۹۶۷
۱۹۔ کلینی ابو جعفر محمد بن یعقوب	اصول کافی	دار الکتب الاسلامیہ تہران
۲۰۔ محمود احمد غازی	ادب القاضی	ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۲۱۔ مفتی محمد شفیع	معارف القرآن	ادارۃ المعارف کراچی
۲۲۔ ولی اللہ شاہ	حجۃ اللہ البالغہ	سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۴
۲۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	کتاب مقدس	بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور